بانگ درا کی ایک نظم شیکسپئیر: اقبال اور شیکسپئیر کے درمیان چند ہم آہنگیوں کا سراغ

محمد اعجاز الحق

Abstract:

Keeping in view Iqbal's poem *Shakespeare*, which is a part of his first Urdu poetry book *Bang e Dara*, this article explores some important thematic parallels between the works of Muhammad Iqbal and William Shakespeare, two towering figures in literature from distinct cultural backgrounds. It examines how both poets grapple with existential questions, the nature of the self, and the interplay between individuality and societal constraints. By analyzing key texts from both authors, the article highlights their shared exploration of human emotions, existential dilemmas, and the pursuit of higher truths. The study not only underscores the universality of their themes but also suggests that Iqbal's modernist approach resonates with Shakespearean ideals, bridging the gap between Eastern and Western literary traditions. Ultimately, the article aims to enrich the understanding of both writers by revealing the connections that transcend temporal and cultural boundaries.

"شیکسپئیر" بانگ درا کی ایک لازوال نظم ہے جس میں اقبال نے انگریزی ڈرامانویس اور شاعر ولیم شیکسپئیر کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ نظم کے یہ اشعار خاص طور پہ قابل ذکر ہیں :

ہے ترے فکر فلک رس سے کمال ہستی
کیا تری فطرتِ روشن تھی مآل ہستی [1]

حفظ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
راز داں پھر نہ کرے گی کوئی پیدا ایسا[2]

اقبال نے ایسا شاندر خراجِ تحسین گوئٹے کے علاوہ کسی اور مغربی شاعر کو پیش نہیں کیا۔ڈاکٹر اسلم انصاری کے بقول:

> "اقبال نے اس سے بڑا خراج تحسین مغربی دنیا کی کسی اور شخصیت کو شاید ہی دیا ہو، بلکہ دیکھا جائے تو اس طرح کی تحسین مشرق کے کسی شاعر کے حصے میں بھی مشکل ہی سے آئی ہو گی۔ آخری شعر میں تو شیکسپیئر کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ تیری فکر فلک رس دنیائے ہستی کا نقطہ کمال ہے، اور پھر سوال کیا گیا ہے کہ کیا تیری روشن اور منور فطرت خود زندگی کا حاصل تھی؟ اسے بہ آسانی شاعرانہ مبالغہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن مبالغے سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ اس نظم کی تخلیق کے زمانے میں شیکسپیئر اقبال کے نزدیک ایک ایسا ذہن خلاق اور ایسا عظیم فنکار تھا کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔"[3]

اس نظم کے علاوہ شیکسپیئر کا ذکر اقبال کی ڈائری (Stray Reflections) میں بھی ملتا ہے۔ وہ شیکسپیئر کا موازنہ گوئٹے (Goethe) سے کرتے ہوئے شیکسپیئر کو 'انفس' کا جب کہ گوئٹے کو 'آفاق' کا شاعر قرار دیتے ہیں:

> "Both Shakespeare and Goethe rethink the divine thought of creation. There is one important difference between them the realist Englishman rethinks. the individual; the idealist German, the Universe-"4

اقبال خود انفس و آفاق کے شاعر ہیں۔ حقیقت کو وہ ایک نامیاتی کل سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں تصوریت پسندی اور حقیقت پسندی میں ایک طرح کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ اندیشہ ہائے افلاکی اور زمین کے ہنگاموں کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ وہ روح اور مادے کی دوئی کی نفی کرتے ہیں۔ عالم مظاہر اور عالم حقیقت ان کے لیے الگ تھلگ نہیں۔ طبیعیات اور مابعد الطبیعیات ان کے نزدیک ایک ہی حقیقت کے مختلف درجات ہیں۔ شیکسپیئر کے ہاں اگرچہ عالم مظاہر کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتا ہے، اور اس کی توجہ زیادہ تر زندگی کے گوناں گوں مظاہر ہی کی طرف منعطف رہتی ہے مگر اس کے باوجود اس کے کلام میں عالم حقیقت اور

مابعد الطبیعیات کی کچھ جھلکیاں ضرور نظر آتی ہیں۔ وہ بنیادی طور پر حقیقت پسند ہے اور ارضیت سے اپنا رشتہ استوار رکھتا ہے مگر زندگی کے ماورائی حقائق کی جستجو بھی کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ اس کے ہاں زندگی کا کوئی مربوط فلسفہ نہیں پایا جاتا مگر زندگی کے حقائق و معارف کو بہت دانشورانہ نظر سے دیکھنے کا عادی ہے۔ وہ اپنے اردگرد کے سماجی، تہذیبی، سیاسی اور معاشی ماحول کو سرسری انداز سے نہیں دیکھتا بلکہ اس کے مشاہدے میں بہت گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔ وہ انسانی نفسیات کا بہت گہرا علم اور ہر انسانی سرگرمی کے شعوری اور لاشعوری محرکات پہ نظر رکھتا ہے۔ چناں چہ اس کے ہاں خارجیت کے ساتھ ساتھ داخلیت کا رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ اس کی تعلیم واجبی سی تھی مگر اس نے زندگی کو ایک انمول مظہر جانتے ہوئے اسے بہت قریب سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال اور شیکسپیئر دونوں کی شاعری کا مرکز و محور انسان ہے۔ شیکسپیئر کا دور انسان مرکز ہے، چناں چہ وہ انسان کی آرزوؤں اور امنگوں، اس کے جذبات و احساسات اور اس کی نفسی کیفیات پر اپنی توجہ مبذول کرتا ہے۔ وہ یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہے کہ کسی درپیش صورتحال میں انسان کس رویے کا مظاہرہ کرتا ہے، اور اس رویے کے بدلنے کی کیا داخلی اور خارجی وجوہات ہیں۔ انسانی رویوں کو جس تنوع اور گہرے مشاہدے کے ساتھ شیکسپیئر نے پیش کیا ہے اس سے پہلے دنیا کے ادب میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملتی ہے۔ وہ ایک عظیم آئینہ بردار ہے جو زندگی کی شاہراہ پہ کھڑا ہے۔ وہ زندگی کو ویسا ہی پیش کرتا ہے جیسا کہ وہ ہے، جب کہ اقبال زندگی کو محض پیش نہیں کرتے بلکہ ان کی زیادہ توجہ اس امر پر ہے کہ زندگی کو کیسا ہونا چاہیے۔ یعنی اقبال زندگی کا مشاہدہ موضوع الاصل طریقے سے کرتے ہیں جب کہ شیکسپیئر معروض الاصل طریقے سے۔ اقبال کے ہاں واضح طور پر ایک اصلاحی رنگ غالب ہے، جب کہ شیکسپیئر کے ہاں اصلاحی رنگ واضح ہو کر سامنے نہیں آتا بلکہ وہ زندگی کے خوب صورت اور بھیانک پہلوؤں کو ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے لیکن بہر حال اس کا جھکاؤ خیر ہی کی طرف رہتا ہے اور بعض مواقع پر غیر محسوس طریقے سے خیر کی ترویج بھی ضرور کرتا ہے۔ وہ انسانی زندگی کی نئی نئی تعبیرات اور نئے نئے مفاہیم دریافت کر کے اپنے فن میں سمو کر پیش کرتا ہے۔ اس کے عہد میں ایک نئے انسان کی دریافت کا عمل جاری تھا۔ شیکسپیئر نے نئے انسان کو دریافت ہی نہیں بلکہ اسے ایجاد بھی کیا ہے۔ اقبال بھی ایک نئے انسان کی ایجاد پہ یقین رکھتے ہیں جسے انھوں نے انسان کامل کا نام دیا ہے۔ اقبال زندگی کو ایک بلند تر سطح سے دیکھتے ہیں جب کہ شیکسپیئر قریب تر سطح سے۔

ٹی ایس ایلیٹ نے کہا تھا کہ شاعری اپنی بلند سطح پہ ڈرامے میں ڈھل جاتی ہے اور ڈراما اپنی بلند سطح پہ شاعری میں۔ یہ بات اقبال اور شیکسپیئر دونوں پر صادق آتی ہے۔ شیکسپیئر کا ڈراما شاعری میں ڈھل جاتا ہے جب کہ اقبال کی شاعری بھی اپنی بلند تر سطح پہ پہنچ کر ڈرامے میں منقلب ہو جاتی ہے۔ جاوید نامہ اس کی بہترین مثال ہے۔ اقبال شیکسپیئر کی طرح ڈراما نگار نہیں البتہ انھوں نے فنی طور پر ڈرامائی عناصر سے اپنی شاعری میں بہت مدد لی ہے۔

شیکسپیئر کی شاعری زیادہ تر نظم معرٰی (Blank Verse) کی صورت میں اس کے سینتیس ڈراموں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان ڈراموں میں چند ایک گیت بھی شامل ہیں۔ شیکسپیئر کے ڈراموں کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:ا۔ تاریخی، ۲۔ المیہ، ۳۔ طربیہ۔ لیکن جو شہرت اس کے المیہ ڈراموں کو ملی وہ اس کے دوسرے ڈراموں کو حاصل نہ ہو سکی۔ ان ڈراموں کے علاوہ اس نے ۱۵۴ سانیٹ بھی لکھے۔ اس کے علاوہ اس نے چار طویل نظمیں بھی لکھیں۔

اقبال اور شیکسپیئر کی شاعری میں جو تصور بے حد نمایاں ہو کر ابھرتا ہے وہ ان کا تصور حیات و مرگ ہے۔ ہر دو شخصیات کی شاعری حیات کی تعبیر و تفہیم سے عبارت ہے۔ انہوں نے زندگی کی ماہیت اور اسکی معنویت و مقصدیت پر روشنی ڈالی ہے۔ دونوں کے ہاں اس سوال پر غور و فکر ملتا ہے کہ زندگی کیا ہے؟ اور اسے کیسا ہونا چاہیے؟ وہ انسانی زندگی کی وسعت اور ترقی کے نغمہ خواں ہیں۔ زندگی کے ساتھ ساتھ موت کے حوالے سے بھی ان کی شاعری میں اہم آرا کا اظہار پایا جاتا ہے۔ پہلے ہم دونوں شعراء کے تصور حیات پر روشنی ڈالیں گے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں یہ سوال بار بار اٹھایا ہے کہ زندگی کیا ہے اور انسان کا وجود کیا معنویت رکھتا ہے؟

تو کیستی و من کیم ایں صحبت ما چیست
بر شاخ من ایں طائرک نغمہ سرا چیست [۵]

ان سے ملتے جلتے سوالات شیکسپیئر کے ذہن میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کی معنویت پر غور کرتا ہے تو اسے انسانی ہستی کبھی محض ایک سراب دکھائی دیتی ہے اور کبھی حقیقت۔ وہ زندگی کے اسرار و غوامص پر غور کرتا ہے اور اسکی شاعری انسانی حیات کا عمیق منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ اس نے زندگی کے معاملات کا مشاہدہ ژرف نگاہی سے کیا۔ اقبال کی طرح وہ بھی حیات سے متعلق یہ سوال اٹھاتا ہے۔

"What is your substance, whereof are you made,
That millions of strange shadows on you tend.
Since every one, hath every one, one shade

And you but one, can every shadow lend."6

اقبال کے نزدیک زندگی محض تکرار نفس اور خوردونوش کا نام نہیں۔ وہ حیاتیاتی اور جبلی ضروریات سے انکار نہیں کرتے مگر ان کے نزدیک اعلیٰ و برتر زندگی انہی ضروریات کے گرد نہیں گھومتی بلکہ اس کے اور بھی تقاضے ہیں۔ وہ زندگی کے ارفع و اعلیٰ مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

زندگانی نیست تکرار نفس
اصل او حیی و قیوم است و بس ۷

وہ عالم جو چشم و گوش کا بتخانہ ہے اور جہاں زندگی فقط خوردونوش کا نام ہے' اقبال کے لیے اہمیت نہیں رکھتا۔ ان کے نزدیک حیاتیاتی ضروریات (biological needs) پوری کرنا خودی کی ابتدائی منزل تو ہو سکتی ہے مگر زندگی کی اصل منزل اس سے بہت آگے ہے۔

یہ عالم، یہ بتخانہ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
خودی کی یہ ہے منزل اولیں
مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں ۸

ڈاکٹر انور سدید اقبال کے تصور حیات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقبال کی شاعری میں زندگی کا تصور ایک مثبت حقیقت کے طور پر ابھرتا ہے۔ اس نے حرکت اور حرارت کو اس ساحرانہ قوت سے تسخیر کیا ہے کہ زندگی جو دراصل انہیں دو قوتوں کا مصدر ہے خود انسان کے حیطہ اختیار میں اسیر ہو جاتی ہے اور حیات محض سانس کی آمد و شد کا نام نہیں رہتا بلکہ یہ فرد کو اعتماد ذات مہیا کر کے ایک طرف اس میں تسلیم و رضا کی خو پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف مطلوب حقیقی سے وصال کے لئے عشق صادق کا تندو تیز جذبہ عطا کر دیتی ہے۔"۹

شیکسپیئر کے نزدیک بھی زندگی محض بنیادی ضروریات پورا کرنے کا نام نہیں۔ اس کے نزدیک ایسا انسان جو زندگی کو صرف کھانے' پینے اور سونے کا نام سمجھتا ہے' حیوان کے مترادف ہے۔

"What is a man
If his chief good and market of his time.
Be but to sleep and feed, a beast no more" 10

شیکسپیئر نہ صرف زندگی کو حقیقت پسندانہ (realistic) نقطہ نظر سے دیکھتا ہے بلکہ اس میں ماورائیت کی جلوہ گری کا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

"شیکسپیئر کی غیر فانی عظمت اور بلندی کا راز یہ ہے کہ اس کے یہاں ارضی حقیقت (Mundane Reality) اور ماورائی حقیقت (Metaphysical Reality) کی عکاسی میں فکر، تخیل اور جذبہ ایک وحدت کل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔"11

شیکسپیئر کے نزدیک زندگی حقیقی اور بامقصد ہے۔ اس کے ہاں ایسے شعری اقتباسات بہت کم ہیں جن میں زندگی کی بے ثباتی' پراسراریت اور بے معنویت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل شعری اقتباسات ملاحظہ کیجیے۔

"Life's but a walking shadow, a poor player that
Struts and frets his hour upon the stage
And then is heard no more."12

"We are such stuff
As dreams are made on; and our little life
Is rounded with a sleep" 13

ان اقتباسات میں افلاطونی تصور زندگی جھلکتا ہے۔ افلاطون کے نزدیک زندگی محض ایک سایہ یا عکس ہے۔ شیکسپیئر کی شاعری پر افلاطونی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ستیا پرشاد سین گپتا نے لکھا ہے:

"It is evident that Shakespeare had his access to Plato, but not through Ficino, Benivieni, Pico, Bruno, and Bembo, the neo-platonists of Italy. Castiglione in Hoby's English translation must be one of Shakespeare's sources. And the entire Petrarchan tradition was freely and substantially drawn upon."14

مگر اس سے یہ خیال نہیں کیا جانا چاہیے کہ شیکسپیئر نے افلاطونی فلسفے کو من و عن قبول کر لیا ہے۔ شیکسپیئر زندگی کو محض سراب خیال نہیں کرتا بلکہ اس کے نزدیک یہ حقیقی (real) ہے' جیسا کہ جارج کے ہنٹر لکھتا ہے۔

"For Shakespeare life is not an illusion but a reality."15

جبکہ اقبال، افلاطون کے تصور حیات کو قبول نہیں کرتے انہوں نے افلاطون کے اس تصور کہ ہستی محض ایک سراب ہے پر اسرار خودی میں کڑی تنقید کی ہے۔

اقبال چاہتے ہیں کہ انسان خواب غفلت سے بیدار ہو کر اس کائنات میں اپنے مقام اور کردار سے آشنا ہو۔ وہ انسان سے مجہول (passive) نہیں بلکہ فعال (active) کردار ادا کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ سکون کی بجائے حرکت پر یقین رکھتے ہیں اور سکریت کی نفی کرتے ہیں۔ وہ انسان سے انقلابی کردار کے متقاضی ہیں۔ زبور عجم کی ایک نظم میں وہ انسان سے خواب گراں سے جاگنے کا مطالبہ یوں کرتے ہیں۔

دریاے تو دریاست کہ آسودہ چو صحراست
دریاے تو دریاست کہ افزوں نشد و کاست
بیگانہ آشوب و نہنگ است چہ دریاست
از سینہ چاکش صفت موج رواں خیز
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز۱۶

شیکسپیئر بھی انسان کو خواب غفلت سے بیدار اور طوفانوں سے دوچار دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے خیال میں دنیا دراصل انسان کی صلاحیتوں اور اس کے ارادہ و عمل کی امتحان گاہ ہے اور اس میں غفلت کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ مدہوشی (Slumber) کی زندگی کے خلاف ہے اور ہوشمندی کا مطالبہ کرتا ہے۔

"If of life you keep a care
Shake off slumber and beware
Awake! Awake!"17

اقبال کی طرح شیکسپیئر بھی عمل پر بہت زور دیتا ہے۔ اس کے نزدیک زندگی عمل کا نام ہے۔ چنانچہ اس کے ڈراموں کے وہ کردار جو عمل سے گریز کرتے ہیں یا ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں' المیہ انجام سے دوچار

ہوتے ہیں۔ اس کے نزدیک زندگی کے اچھے یا برے ہونے کا انحصار حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ اعمال پر ہے۔ شیکسپیئر نے عملیت پسندی کے تصور کو تمثیلی انداز میں یوں پیش کیا ہے۔

شیکسپیئر جمود کی بجائے حرکت کو پسند کرتا ہے۔ وہ زندگی کی حرکیات میں گہری دلچسپی لیتا ہے۔ لہذا اسے زندگی کے ان مظاہر سے زیادہ دلچسپی ہے جو حرکت پذیر ہیں اس حوالے سے کیرولین۔ ایف۔ ای سپرجین رقمطراز ہیں۔

> "The more we study the main groups of images which constitute the greatest part of shakespeare's imagery the clearer it becomes that there is one quality or characteristic in them all which overpoweringly attracts him throughout, and that quality is movement: nature and natural objects in motion"18

شیکسپیئر کے نزدیک انسان کا اصل مسئلہ اس کے وجود و عدم کا مسئلہ ہے۔ انسان کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ کہ یا تو وہ حالات کے سامنے سپر انداز ہو جائے' یا پھر ان کا ہمت سے مقابلہ کرے۔

> "To be, or not to be, that is the question
> Whether 'tis nobler in the mind to suffer
> The slings and arrows of outrageous fortune
> Or to take arms against a sea of troubles" 19

یہاں شیکسپیئر نے زندگی کو بحرانی لمحہ میں مرکوز دکھایا ہے۔ یہ صورتحال زندگی کی ماہیت اور اسباب و علل کا جائزہ لینے سے زیادہ فوری فیصلہ کرنے کی متقاضی ہے کہ عملی طور پر کیا کیا جائے یہ وہ صورتحال ہے جب جینے یا نہ جینے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہاں زندگی ایک مخمصے کا شکار نظر آتی ہے اور یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ انسانی وجود لازمی بلکہ امکانی ہے۔ وجودی فلسفیوں (Existentialists) کے ہاں نظر بھی یہی مسئلہ نظر آتا ہے۔ خاص طور پر سارترے (Sartre) کے ڈراموں مثلاً No Exit Dirty Hands, اور Men Without Shadows میں یہی بحرانی صورتحال پیش کی گئی ہے۔ اقبال خودی کو بحرانوں کی زد میں لاتے ہوئے ہی اس کا اثبات کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خودی کا تحقق اضطرابی آزمائشوں ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

زندگی کی کشمکش کے حوالے سے شیکسپیئر، ہیگل اور اقبال میں بعض قریبی مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ ہیگل کا جدلیاتی فلسفہ یہ کہتا ہے کہ فکر اور وجود دونوں ہی تضادات اور تناقضات کا سمندر پار کرتے ہوئے مسلسل ارتقا اور تکوین (Becoming) کی حالت میں ہیں۔ اس سمندر کی لہریں مسلسل ایک دوسرے سے

ٹکرا رہی ہیں۔ دعویٰ، جواب دعویٰ اور پھر ان کی ترکیب، تصور اسی جدلیاتی عمل کے تحت مسلسل حرکت میں ہے۔ چناں چہ زندگی تصادم ہی تصادم ہے، تناؤ ہی تناؤ ہے۔ انسانی شخصیت و کردار کی آزمائش اسی تصادم میں ہے۔ انسانی زندگی کی صلابت اور اس کا سلجھاؤ الجھن کی کٹھنائیوں سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔ ہیگل کے مطابق ہستی متناقض ہے یعنی تضادات کے مجموعے کا نام ہے۔ الجھنا، سلجھنا، سلجھ کر الجھنا، یہی زندگی کا دستور ہے۔ شیکسپیئر کے ڈرامے بھی زندگی کے انھی تضادات کی تصویر کشی کرتے ہیں اور اقبال بھی اس فلسفہ حیات کو قبول کرتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۴ء، ص ۲۷۹

۲۔ ایضاً

۳۔ اسلم انصاری، شعر و فکر اقبال، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۷ء ص ۷۹

4. Iqbal, Muhammad, Stray Reflections, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2008, P. 130

۵۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص ۲۷۴

6. Shakespeare, William , Sonnets, London: Shepheard-Walwyn, 1975,Sonnet No 53

۷۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص ۶۶۱

۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، ص ۴۵۶

۹۔ انور سدید، اقبال کے کلاسیکی نقوش، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۸ء، ص ۱۶۸

10. Shakespeare, William ,Hamlet, Middlesex: Penguin Books,19882. Act 1, Sc. 1

۱۱۔ اسلوب احمد انصاری، مطالعہ اقبال کے چند پہلو، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۶ء، ص ۱۷۳

12. Shakespeare, William, Macbeth, Middlesex: Penguin Books, 1985, Act 5, Sc. 5

13. Shakespeare, William, The Tempest, Middlesex: Penguin Books,1983 Act 4, Sc. 1
14. Sengupta, Satya Parasad, Some Aspects of Shakespeare's Sonnets, New Delhi: S. Chand & Co., ،1981P. 51
15. Hunter, George K, Shakespeare's Conception of Life, 1978, P. 126

۱۶۔ محمد اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص۳۹۵

17. Shakespeare, William, The Tempest, Act 2, Sc. 1
18. Spurgeon, Caroline F. E,(1935). Shakespeare's Imagery and What it Tells Us, London: Cambridge University Press, P. 50
19. Shakespeare, William, Hamlet, Act 3, Sc 1